عقلِ وجدانی

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

دوسرا بڑا انعام جو بارگاہ خداوندی سے حضرت انسان کو عطا ہوا وہ عقلِ وجدانی ہے۔ عقلِ وجدانی حاسہ وجدانی یا حاسہ مذہبی سے ترقی پاکر پروان چڑھتی ہے۔ اس عقل کو اہل فلسفہ عقلِ کلی اور اہلِ تصوف عقلِ وجدانی اور ماہرین فنونِ لطیفہ عقلِ تخلیقی کہتے ہیں۔ حاسۂ مذہبی ہر انسان کی فطرت میں طبعی طور پر موجود ہے۔ یہ حاسہ مظاہر کائنات کی نیرنگی اور بوقلمونی پر قناعت نہ کرکے کائنات کے پس پردہ حقیقتِ مستور کا عرفان اور تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ تخم ہر فرد بشر کی سرشت میں موجود ہے۔ اگر کہیں سازگار ماحول میسر آجاتا ہے تو برگ وبار لے آتا ہے اور جہاں کہیں ناسازگار اور معاندِ ماحول ملتا ہے تو وہاں ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔

دیگر حواس کی طرح حاسۂ مذہبی کا بیج بھی انسان کی فطرت میں روزِ ازل ودیعت کردیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "اور اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں میں سے ان کی نسلوں کو نکالا تھا۔ اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ ٹھہراتے ہوئے پوچھا تھا — "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" انہوں نے کہا تھا، ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا تھا کہ تم قیامت کے روز یہ کہہ دو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے۔" (اعراف - ۱۷۲) یہ آیت بتاتی ہے کہ ازل کے روز نسلِ انسانی کے ایک ایک فرد نے جلوۂ حق کا نظارہ کیا تھا۔ اس وقت سے جلوۂ حق کا پرتو فطرتِ انسانی کے نہاں خانہ میں موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر طبعی طور پر ایک ایسا جاذبہ موجود ہے جو اسے حقیقتِ مستور کی تلاش اور جستجو پر ابھارتا رہتا ہے۔ عرفانِ حقیقتِ کبریٰ اور تقربِ ذاتِ حق کی کسک ہر دل میں چھپی ہوئی موجود ہے، خواہ وہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ ہر انسان

عرفانِ حق کا متلاشی رہتا ہے۔ خواہ عملاً اسے عرفانِ حق حاصل ہو یا نہ ہو۔

اس معاملہ میں نوعِ انسانی کی مثال اس روایتی شہزادے کے مشابہ ہے جس نے خواب میں کسی حسین دوشیزہ کا جمال جہاں آرا دیکھ لیا تھا۔ خواب میں ہی وہ اس محوِ جمال اور پری تمثال کو دل دے بیٹھا تھا۔ اس پر دل وجان سے عاشق ہوگیا تھا۔ پھر وہ حکومت وسلطنت کا سارا کاروبار چھوڑ کر اس حسین دوشیزہ کی تلاش میں سرگرداں نکل کھڑا ہوا تھا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

از روزگارِ خویشتن ندانم جز ایں قدر خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزو ماست

نوعِ انسانی بھی صدیوں سے تلاشِ حقیقت کے سفر پر رواں ہے اور اس کا سفر ختم نہیں ہوتا۔ انسانِ حیوانی کی طلب ضرور شہوتِ شکم اور شہوتِ جنس ہے۔ اور انسانِ عقلی (تجزیاتی) کی طلب جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت ہے۔ لیکن حقیقی انسان اخلاقی اور روحانی انسان ہے۔ حقیقی انسان کی طلب جلوۂ صفاتِ حق اور عرفانِ ذاتِ حق ہے۔

اہلِ فرنگ کی بدبختی بلکہ ساری انسانیت کی بدبختی کہ یورپ کے مادی مفکرین انسانِ حیوانی کو تسلیم کرتے ہیں، انسانِ عقلی کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن انسانِ اخلاقی اور انسانِ روحانی کے منکر بن گئے ہیں۔ انہوں نے علم وآگہی اور علوم وفنون کے قافلہ کو بدراہی اور گمراہی کے بیابانوں میں دھکیل دیا ہے۔ جہاں انسانیت کا قافلہ ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔

عقلِ وجدانی کے مظاہرات

عقلِ وجدانی کا اظہار بہرحال ہوتا رہتا ہے۔ جذبۂ اندرون کا مظاہرہ انسان کی روزمرہ کی زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ انسان کے افعال میں اور اس کے کردار میں ہوتا رہتا ہے اس کی پسند میں اور اس کی ناپسند میں ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ ذرا آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انسان کی ساری طلب وجستجو میں بہرحال اور بہرطور جلوۂ حق کا کوئی نہ کوئی پہلو پیشِ نظر رہتا ہے۔ تجلیٔ حق کی کوئی نہ کوئی صفت اس کے دل ودماغ پر مستولی رہتی ہے تو یہ بات عینِ حق ہے۔ اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

حقیقتِ کبریٰ اور ذاتِ حق کے ہزاروں جلوے ہیں۔ سینکڑوں پہلو ہیں، صدہا انداز ہیں عقلِ وجدانی کے نزدیک اس کا ہر جلوہ محبوب ہے ---------- اس کا ہر پہلو جاذب ہے، اس کا ہر انداز مطلوب ہے۔ اس کے جلووں کی نہ حد ہے نہ حساب۔ وہ عظمت وجبروت ہے۔ وہ

حسن وجمال ہے۔ وہ قہر وجلال ہے۔ وہ رفعت وکمال ہے۔ وہ تقدیس واستغنا ہے۔ وہ حق وصداقت ہے۔ وہ خیر وفلاح ہے۔ وہ جود وعطا ہے۔ وہ سکون وطمانیت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" ہر روز وہ نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔" (الرحمان - ۲۹) " اللہ تعالیٰ کے اچھے نام ہیں۔ اس کو اچھے ناموں سے پکارو۔" (اعراف - ۱۸۰)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ" اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی نام ہیں۔ اللہ کو اس کے صفاتی ناموں سے یاد کرو۔" ساری خلقت میں، ساری کائنات میں اس کی صفات جلوہ افروز ہیں۔ جس چیز میں جس شکل میں، جس جاکوئی حسن ہے کوئی خوبی ہے کوئی کمال ہے، اس سب کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق میں کسی کا بھی حسن ذاتی نہیں ہے بلکہ وہ خالق کا عطیہ ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تمام حمد وستائش کا سزاوار اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔

قرآن مجید نے صدہا مقامات پر مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کو پیش کیا ہے۔ وہ عقل وفکر کو ان پر غور وخوض کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ جس طرح مظاہرِ قدرت پر غور وخوض کرنے سے عقلِ تجرباتی پرورش پاتی ہے، اسی طرح مظاہرِ فطرت پر غور وخوض کرنے سے عقلِ وجدانی کی آبیاری اور پرورش ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے قرآن مجید عقلِ وجدانی کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔

مناظرِ فطرت پر غور کرنے سے سب سے پہلے انسان کے اندر ذوقِ تجسس اور ذوقِ آگہی بیدار ہوتا ہے۔ انسان کا شعورِ آگہی بیدار ہوتا ہے۔ ذوقِ آگہی مزید ترقی کر کے اشیا کے خواص معلوم کرتا ہے۔ ان کے منافع اور فوائد سے آگہی حاصل کرتا ہے۔ اس طرح انسان کے اندر شعورِ افادی نشوونما پاتا ہے۔ علوم سائنس کی ساری جدوجہد یا تو شعورِ آگہی کے تحت آتی ہے یا شعورِ افادی کے تحت آتی ہے۔ مظاہرِ فطرت میں قرآن مجید حسن وجمال کی طرف بھی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہے۔ اس طرح انسان کے اندر جمالیاتی شعور نشوونما پاتا ہے۔ ایک قدم آگے بڑھ کر انسان اس ہمہ جہت خوبی وکمال ہستی کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے جس کے فیضان کا چشمہ ہر جگہ جاری وساری ہے۔ علم وآگہی ہو، تمتع وافادہ ہو، حسن وکمال ہو، سب اسی سرچشمہ کا فیضان ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے اندر عرفانی اور الہیاتی شعور بیدار کرنا چاہتا ہے۔ شعورِ آگہی، شعورِ افادی، شعورِ جمالیاتی اور شعورِ الہیاتی عقلِ وجدانی کا ارتقائی سفر ہے۔ قرآن مجید اس راہ سے انسان کو جلوۂ حقیقت کی رہنمائی کرتا ہے۔

اقدارِ حیات جلوۂ حق کا یہ پہلو عقلِ وجدانی کے لیے محبوب ہے اور مطلوب ہے۔ صفاتِ حق انسانی زندگی کے لیے اقدارِ عالیہ کا حکم رکھتی ہیں۔ انسانی زندگی کی یہ غایات ہیں۔ انسان کی حقیقی سرگرمی انہی اقدار کے حصول اور دریافت کی جدوجہد ہے۔ بہر طور اور بہر دم انسان ان اقدارِ عالیہ کے حصول کا طلب گار اور متمنی رہتا ہے۔ ان اقدار کے حصول کے لیے وہ ہر آن کوشاں رہتا ہے۔ ان کے حصول کے لیے وہ لڑتا ہے، جھگڑتا ہے اور بے چین رہتا ہے۔ جسمانی تقاضوں اور جبلی خواہشات کے مختصر سے دائرہ کو مستثنیٰ قرار دے کر انسانی شعور کی ساری سرگرمیاں درحقیقت اقدارِ عالیہ کی جستجو ہے۔ یعنی پرتوِ جلوۂ حقیقت کی تلاش ہے۔ اور یہی حقیقی انسان ہے اور یہی حقیقی سرگرمیاں ہیں۔ آئیے ذرا انسان کی روزمرّہ زندگی کے چند واقعات پر نظر ڈالیے۔

۱۔ انسان کہتا ہے یہ چیز میری ہے —— گویا وہ صفتِ حق کا اثبات کر رہا ہے۔

۲۔ انسان کہتا ہے یہ کیسا دلکش منظر ہے —— گویا وہ صفتِ جمال کو مطلوب قرار دے رہا ہے۔

۳۔ انسان کہتا ہے یہ کتنی پرشکوہ عمارت ہے —— گویا وہ صفتِ عظمت کو مطلوب قرار دے رہا ہے۔

۴۔ انسان کہتا ہے یہ کتنی خوفناک بجلی کڑکی ہے —— گویا وہ صفتِ جلال کا اعتراف کر رہا ہے۔

۵۔ انسان کہتا ہے یہ کتنا سخی داتا ہے —— گویا وہ صفتِ جود و سخا کو مطلوب قرار دے رہا ہے۔

۶۔ انسان کہتا ہے یہ شے بڑی ہی مفید ہے —— گویا وہ صفتِ خیر کو مطلوب قرار دے رہا ہے۔

۷۔ انسان کہتا ہے یہ میرا بڑا ہمدرد ہے —— گویا وہ صفتِ احسان و فلاح کو مطلوب قرار دے رہا ہے۔

۸۔ انسان کہتا ہے یہاں مجھے بڑا آرام ملتا ہے —— گویا وہ صفتِ طمانیت کو مطلوب قرار دے رہا ہے۔

۹۔ انسان کہتا ہے میں بڑا آدمی ہوں —— گویا وہ صفتِ عظمت کا اثبات چاہتا ہے۔

۱۰۔ انسان کہتا ہے یہ بہت محترم ہستی ہے —— گویا وہ صفتِ تقدیس کا اثبات کر رہا ہے۔

۱۱۔ انسان کہتا ہے مجھے اس سے محبت ہے —— گویا وہ صفتِ محبوبیت کا اعلان کرنا چاہتا ہے۔

۱۲۔ انسان کہتا ہے کاش میں بھی اس جیسا ہوتا —— گویا وہ صفتِ مثالیت کا اعتراف کر رہا ہے۔

صرف یہ بات نہیں ہے کہ انسان مثبت انداز میں ان اقدار کا طالب رہتا ہے بلکہ وہ ان اقدارِ حیات سے دوری اور محرومی کو اپنے لیے رنج و غم کا سبب تصور کرتا ہے۔

۱۳۔ بعض دفعہ انسان شرمندہ ہو جاتا ہے —— گویا وہ خود کو صفتِ مطلوب سے گرا ہوا تصور کرتا ہے۔

۱۴۔ بعض دفعہ انسان کو حیا مانع آتی ہے ـــــ یعنی وہ خود کو معیارِ مطلوب سے گرانا نہیں چاہتا ہے۔

دُنیا کی غالب اکثریت کے نزدیک جمہوریت مقبولِ عام نظامِ حیات ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اس نظام میں چند اخلاقی اقدار (اہمیت فرد، مساوات، آزادی وغیرہ) کے حصول کو ہدف بنایا گیا ہے۔ دُنیا کے خاصے بڑے حصے میں اشتراکیت مقبولِ عام نظامِ حیات ہے۔ اس نظام میں بھی چند اخلاقی اقدار (مساوات، بنیادی ضروریات کی فراہمی، محنت کی قدر وغیرہ) کے حصول کو ہی ہدف بنایا گیا ہے۔ جمہوری اقدار ہوں یا اشتراکی اقدارِ حیات، دونوں جگہ عقلِ وجدانی کی عطا کردہ ہیں۔ طبعی دنیا ہو یا حیاتیاتی دُنیا، کہیں بھی نہ مساوات ہے نہ آزادی نہ فراہمی ضروریات ہی۔ اس لیے عقلِ تجرباتی ان اقدار کا استنباط کرنے سے قاصر تھی۔ عقلِ وجدانی نے جذبۂ اندرون سے ان اقدار کو عطا کیا ہے یہ اقدار بھی پرتو صفاتِ حق ہیں۔ یہ اقدار عقلِ استدلالی کی استنباط کردہ نہیں ہیں۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمومی انداز کی بات کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی مثبت اقدارِ حیات کا حصول ہوتی ہے۔ حکمران اور سیاستدان کتنے ہی ظالمانہ اور خودغرضانہ افعال و حرکات کے مرتکب ہوں مگر عوام کے سامنے جب وہ بیان دیتے ہیں تو ہمیشہ کسی نہ کسی اقدارِ حیات کے حصول کو اپنا مقصود و مطلوب بتاتے ہیں۔

آیئے تاریخ کے آئینہ میں قومی رہنماؤں کے ذمہ دار بیان پڑھیے۔

۱۔ "ایشیا اور افریقہ پر قبضہ کرنے سے ہمارا مقصود یہاں کی اقوام کو تہذیب و تمدن سکھانا ہے سفید فام اقوام کا یہ اخلاقی فریضہ ہے۔" (WHITE MAN'S LONDON)

اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے انگریز حکمران اپنی فتوحات کی یہ توجیہہ پیش کرتے تھے۔

۲۔ "چونکہ یہودیوں نے جنگِ عظیم اوّل میں وطن سے غداری کی تھی اس لیے ہم نے اس جنگ میں بخیال حفاظت یہودیوں کو علیحدہ کیمپوں میں رکھا ہے۔" ہٹلر

واضح رہے کہ ان کیمپوں میں چھ لاکھ یہودیوں کو اذیت ناک طریقوں سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

۳۔ "یہ سب لوگ (کریمیا کے مسلمان) ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے اس لیے احتیاطاً ہم نے اُن کو سائبیریا میں آباد کر دیا ہے۔" اسٹالن

واضح رہے کہ سات صدیوں سے آباد ترک قبائل کو اُن کے وطن کریمیا سے اکھاڑ کر سائبیریا کے

برفستانوں میں پھینک دیا گیا، جہاں وہ ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے۔

۴۔ "کالوں کے اختلاط سے سفید فام آبادی کے معاشرہ میں فساد رونما ہوتا ہے۔ اس لیے ہم نے کالوں کے لیے جداگانہ رہائش گاہ (GHETTO) مہیا کر دی ہیں"۔ وزیر اعظم جنوبی افریقہ

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنوبی افریقہ میں سیاہ فام آبادی کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

۵۔ "چونکہ مسلمان قومی دھارے کے ساتھ نہیں چلتے، اس لیے اُن کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے۔ اس وجہ سے وقتاً فوقتاً فسادات رونما ہو جاتے ہیں"۔ وزیر اعظم ہندوستان

۶۔ "علاقہ کے سیاسی توازن میں تغیرات رونما ہو جانے کے بعد اپنے تحفظ کے لیے ہم نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دی ہیں"۔ وزیر اعظم روس

۷۔ "ہم نے عراق کا ایٹمی اڈہ اصولِ خود حفاظتی کے تحت تباہ کیا ہے اور آئندہ بھی ہم ایسا ہی کریں گے"۔ وزیر اعظم اسرائیل

ان تمام بیانات میں سیاست دانوں نے اپنے ظلم و ستم کو کسی نہ کسی اخلاقی قدر کی آڑ میں چھپایا ہے گویا اُن کی کوشش اخلاقی اقدار کا حصول ہے نہ کہ ظلم و ستم۔ جعلی سکوں کو بازاروں میں چلنے کے لیے اصلی سکے سے پوری پوری مشابہت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ جھوٹ کو ہمیشہ سچ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اوپر کے بیانات میں ظلم و ستم کو اخلاق کا لبادہ اوڑھنا پڑا ہے۔ کیا یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت نہیں ہے کہ انسانی معاشرہ میں ہر جگہ سکۂ رائج الوقت اخلاق ہے اور اخلاقی اقدار ہیں نہ شہوتِ شکم ہے، نہ شہوتِ جنس ہے نہ جلبِ منفعت ہے نہ دفعِ مضرت۔

انسان کی عملی زندگی کے ان مختلف افعال اور اقوال پر غور کیجیے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ہمیشہ مثبت اخلاقی اقدار کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے اور منفی اقدار سے ہمیشہ گریزاں رہتا ہے۔ ہر دم اس کے پیش نظر اخلاقی اقدار کا حصول رہتا ہے۔ انسانی زندگی کی تگ و تاز کے پس پردہ محرک یہی اخلاقی اقدار کا حصول ہے۔ یہ اقدار حقیقتِ کبریٰ کا پرتو ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ انسان عملاً پرتوِ حقیقتِ کبریٰ کا متلاشی رہتا ہے۔ وہ لاشعوری طور پر پرتوِ صفاتِ حق کا شناسا ہے۔ تلاشِ حقیقت کا جو تخم روزِ ازل انسانی سرشت میں پیوست کیا گیا تھا، وہ رائگاں نہیں گیا۔

وہ ہر دم ظہور چاہتا ہے۔ اس کا ظہور روزمرہ کی زندگی میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس کو حاسۂ مذہبی بھی کہتے ہیں۔ عقلِ کلی اور عقلِ وجدانی اسی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

یہ نکتہ یہاں خصوصیت کے ساتھ قابلِ غور ہے کہ یہ اقدارِ عالیہ جو انسانی زندگی کی غایات ہیں۔ یہ ہرگز مادی الاصل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ دل کی دنیا کی فتوحات ہیں۔ ان کو خارجی مادی ماحول نے انسانی ذہن پر مسلط نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ سائنسی اور دوسرے علوم کا حال ہے۔ بلکہ یہ اقدار انسان کے اندرونی وجدان کی عطا کردہ ہیں۔ یہ مادی کائنات کے انکشافات نہیں ہیں۔ یہ دل کی کائنات کے انکشافات ہیں۔ ان کا مصدر انسان کے باطن میں ہے۔ البتہ خارج میں ظاہر ہونے کے متمنی رہتے ہیں۔ انسان خارجی دنیا کی صورت گری اپنے باطنی تصورات کے تحت کرنا چاہتا ہے۔ وہ خارجی ماحول کو اقدارِ عالیہ کے تحت بنانا، سدھارنا اور سنوارنا چاہتا ہے۔ وہ خارجی ماحول کو اقدارِ عالیہ کے ماحول کے مطابق چاہتا ہے۔ حکمائے یورپ کی غلط بینی قابلِ افسوس ہے۔ کتنے نادان ہیں وہ لوگ جو انسان کو اور دل کو مادہ کی پیداوار بتلاتے ہیں۔ جو دل کی دنیا کا انکار کرتے ہیں۔ دل مادہ کا محکوم نہیں ہے بلکہ وہ مادہ پر حکمران ہے۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

ادارہ